اعلیٰ حضرت مادرزاد ولی

تصنیفِ لطیف

حضور فیض ملت مفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ





www.faizahmedowaisi.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحمَدُہٗ وَنُصَلّیِ عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم

امابعد! دورِ حاضرہ (موجودہ زمانہ) میں عوام، وِلایت کی علامت، کرامت کو سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ علامتِ وِلایت، اِستِقامَت علی الشریعہ (شریعت پر مضبوطی سے قائم رہنا) ہے۔ ضِمناً عُرفی کرامات کا صُدور ہو تو سبحانَ اللہ! اور اِستِقامَت علی الشریعہ کی دولت، اَعلیٰ حضرت عظیمُ البرکت، امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمۃُ اللہ علیہ نے خوب پائی۔ بچپن سے وفات تک اِس کرامت (یعنی اِستِقامت) کو آپ نے خوب نبھایا۔ ایسی کرامات بہت بڑے اونچے مَراتِب (درجات) کے اَولیاء میں پائی جاتی ہیں، اور اعلیٰ حضرت کو تو بعض کرامات پیدائشی طور پر نصیب ہوئیں، اسی لیے اس رسالہ کا نام **"اعلیٰ حضرت بریلوی مادر زاد ولی"** رکھا گیا ہے۔

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری، ابو الصالح **محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ**

بہاول پور–پاکستان

تعارُف

امامِ اہلسنّت، اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مَبعوث فرمایا تو قُدسی صفات (پاکیزہ اوصاف) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو آپ کی معیّت (ساتھ ہونے) کا شرف بخش کر اَدنیٰ سے ثُریّا تک (انتہائی بلندی تک) پہنچا دیا۔ چونکہ حضور سَرورِ کائنات ﷺ آخری نبی تھے، لہٰذا تبلیغ کو جاری رکھنے کے لیے، حسبِ فرمانِ رِسالت مآب ﷺ: **" عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ "** یعنی میری امّت کے علماء بنی اِسرائیل کے اَنبیاء کی مانند (مثل) ہیں۔ اُمتِ محمدیہ ﷺ میں ایسے عظیم المَرتَبت اَشخاص پیدا فرمائے جو اپنے زمانے میں بے نظیر و بے مثال ثابت ہوئے۔ انہی بلند پایہ ہستیوں میں سے ایک ہیں عاشقِ رسولِ مقبول، مجددِ مائۃِ حاضرہ (موجودہ صدی کے مجدد)، امامِ اہلِ سنّت، اعلیٰ حضرت شاہ محمد احمد رضا خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ، بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء، بمقام بریلی ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مُروجّہ علوم و فنون کی تحصیل اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا شاہ نقی علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کی، اور تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔ اس کے بعد سلسلہ طریقت میں ۱۲۹۴ھ کے دور میں، مارہرہ شریف میں حضرت سیدنا آلِ رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ حق پرست (مبارک ہاتھ) پر بیعت کا شرف حاصل کیا، اور آنحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تمام سَلاسِل کی اجازت و خلافت اور سندِ حدیث حاصل فرمائی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد کو بھی حضرت آلِ رسول سے سندِ خلافت و اجازت تھی۔

پیر و مرشد نے قبلِ وفات ۱۲۹۶ھ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ولی عہد، سجادہ نشین، ابو الحسین نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمایا۔ آپ کی قوتِ حافظہ کا یہ عالَم تھا کہ کم و بیش ایک ماہ میں قرآنِ پاک حفظ کر لیا۔ باوجود بہت قلیل (کم) اساتذہ کے، اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے سینہ کو علوم و فنون کا گنجینہ (خزانہ) بنا دیا۔ اس بزمِ عالمِ رنگ و بو (دنیا) میں ایسی جامعُ العلوم (کثیر العلوم) ہستیاں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کم و بیش پچاس (۵۰) علوم و فنون میں یگانۂ روز گار (بے مثال) تھے، اور ہر فن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مُتعدِّد کُتُب شائع ہو چکی ہیں: تفسیر ہو یا حدیث و علمُ الحدیث، علمُ الکلام ہو یا عقائد، فقہ، تصوف، تاریخ، مناقب، لغت، جفر، تکسیر، جبر و مقابلہ، لوگارتم، مُثَلّث، ہندسہ، ریاضی، توقیت، منطق، علمِ ہیئت ـــ تقریباً پانچ صد (۵۰۰) کتب کی فہرست المیزان، بمبئی نے شائع کی ہے، جب کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجموعی تصانیف کی تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰) تک بتلائی جاتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کو ایک عاشقِ رسول ہونے کے علاوہ، صحابۂ کرام و اہلِ بیتِ عظام سے اس درجہ عقیدت (گہری محبت) تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم کی ہر جُنبش (حرکت) سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ فقہِ حنفی میں زمانۂ حال (اب تک) میں ان کا کوئی ثانی (ہم پلہ) نظر نہیں آتا۔ غرض یہ کہ آپ نے زندگی بھر اپنے قلم سے اللہ و رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی عزت و حُرمَت کی حفاظت کا کام کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلم نہ کبھی بہکا اور نہ ہی دنیاوی مَفاد (فائدے) کے لیے کبھی حرکت میں آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مَطْمَحِ نظر (اصل مقصد) صرف اللہ و رسول کی خوشنودی (رضا) تھی، جیسا کہ خود ہی فرمایا ہے۔ کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا، پڑے اس بلا میں میری بلا میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ نان نہیں

غرضیکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی بھر بد مذہبوں کا رد کرنے میں کوئی دَقیقہ فَرّو گُذاشت (یعنی کمی) نہ فرمایا، گستاخانِ رسول اللہ ﷺ کو تو آڑے ہاتھوں لیا۔ اسی طرح فتنۂ تفضیل، ردِّ رفض، ختمِ نُبوّت کے سلسلہ میں گراں بہا (قیمتی) کُتُب تصنیف فرمائیں کہ جن کا جواب کسی سے بھی نہ بَن پڑا۔ یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں توحید و رِسالَت کا صحیح تصوّر پیش فرمایا، وہاں صحابۂ کرام اور اہلِ بیت کے مقام کی نشان دہی کی، اور متعدّد کُتُب میں ثابت فرمایا کہ حضور رسولِ کریم ﷺ کے بعد اَفضلُ البشر بعد الانبیاء حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ردِّ تفضیلیت و رِفض تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیر خانہ سے وِرثہ (وراثت) میں ملا تھا۔ فقہِ حَنَفی میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جَلالَت (علمی عظمت) ملاحَظہ فرمانے کے لیے "فتاویٰ رضویہ" ہی کافی ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قدم بہ قدم چل کر ثابت فرمایا کہ فقہِ حنفی ہر زمانہ میں صحیح اور پورا اترتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوا؟ کہ اس گدائے مصطفیٰ ﷺ سے نسبت اہلِ سنّت کا شِعار (علامت) بَن گئی، اور بریلوی رضوی اہلِ سنّت کا نشان بَن گیا۔

بڑے بڑے صوفیائے کرام، پیرانِ عظام، اور علماء کرام اپنے آپ کو بریلوی مسلک سے ظاہر فرما کر نازاں و فرحاں (فخر و خوشی کرنے والے) ہیں، بلکہ اب صرف حنفی، چشتی، قادری کے استعمال سے کسی شخص کے صحیحُ العقیدہ سُنّی ہونے کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شاعری صرف اللہ و رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لیے ہی وقف تھی۔ "حدائقِ بخشش" اس بات کی شاہد (گواہی دیتی) ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمد و نعت اور مدحِ بزرگانِ اسلام کے لیے ہی اَشعار موزوں فرمائے (ترتیب دیے)، اور نعتیہ شاعری میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ آپ کا سلام: **"مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"** ہر جگہ گونج رہا ہے اور تمام اہلِ سنّت کے دلوں کو محبتِ مصطفیٰ ﷺ کا گنجینہ (خزانہ) بنا رہا ہے۔ اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیاسیات (سیاسی امور) کی طرف توجہ فرمائی تو کانگریسی احراری (آزاد خیال) علماء کے نظریہ کو رد فرماتے ہوئے صاف اور واشگاف (واضح) الفاظ میں ثابت کیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قومیّت ہے، جس کے نتیجہ میں ہم آج خطۂ پاکستان بنا چکے ہیں۔

علماءِ اہلِ سنّت، خواہ وہ ہندو پاک کے ہوں یا حرمین شریفین کے، انہوں نے تو ہر رنگ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف فرمائی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامِ وقت اور مجددِ مائۃ حاضرہ (موجودہ صدی کے مجدد) تسلیم کیا، لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت (علمی عظمت) کو چار چاند لگانے کے مُترادِف یہ ہے کہ مخالفین بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم و فن کی عظمت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اختلاف رکھنے والے علماء میں سے بھی جنہوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح و توصیف فرمائی، خصوصاً: مودودی، ماہر القادری، معین الدین ندوی، محمد ایوب قادری، انتظام اللہ شہابی، رئیس امروہی، کوثر نیازی، اشرف علی تھانوی، شورش کشمیری، سلیمان ندوی، شبلی اعظمی، مرتضیٰ حسن، مولوی عظیم، محمد علی جوہر، محمد انور شاہ کشمیری، مولوی اعزاز علی، عامر عثمانی، اور شبیر احمد عثمانی جیسے مخالفین کے مسلّم (تسلیم شدہ) بزرگ شامل ہیں۔

نمونہ کے طور ان کی عبارات ملاحظہ ہوں:

اشرف علی صاحب تھانوی نے کہا: "میرے دل میں احمد رضا کے لیے احترام ہے، وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشقِ رسول کی بنا پر کہتا ہے، کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔" (منقول حوالہ: مجلہ ہفت روزہ چٹان، لاہور، ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء)

ملک غلام علی صاحب، نائبِ مولانا مودودی، نے کہا: "مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں ہم لوگ اب تک سخت غلط فہمی میں رہے۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے ہاں پائی ہے، وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے، اور عشقِ خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔" (حوالہ: ہفت روزہ شہاب، لاہور، ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء)

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری: اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سنّت، مجددِ ملّت، مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز، کا شمار اُن علمائے رَبّانیین میں ہوتا ہے جو آسمانِ معرفت (پہچانِ الٰہی) پر آفتابِ ہدایت بَن کر چمکے۔ آپ کی ذات ہُمہ صفات (ہر خوبی کی حامل) متّصف تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس میدان میں بھی قدم رکھا، دنیا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی میدان کا اعلیٰ شہسوار (ماہر) مانتے ہوئے یہ کہا کہ اس فن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاثانی (بے مثال) ہیں۔

علمِ ہیئت (فلکیات) کیا، جفر کیا، فقہ و اصول کیا، معانی و بیان کیا، فلسفہ و منطق کیا، تفسیر و حدیث کیا — ہر فن میں نہ صرف ماہر بلکہ ہر فن میں خداداد تجدیدی و تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے، اور ہر فن میں ایک نئے اندازِ فکر و بیان سے تصانیف فرمائیں۔ لہٰذا دنیا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جدّتِ علمی (علمی نیاپن)، نکتہ رسی (باریک بینی)، اور معنی آفرینی (معنی پیدا کرنے کی صلاحیت) کا لوہا مانا۔

جس طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیگر بے شمار علوم و فنون میں باکمال تھے، اسی طرح نعت گوئی میں بھی یکتا و بے مثال تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے، اور محبتِ رسول کے نورانی (روشن) اور ایمان افروز (ایمان بڑھانے والے) جلوے نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس عشق و محبت کا جلوہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ کلام کے مجموعہ "حدائقِ بخشش" میں بدرجہ کمال پایا جاتا ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں حضورِ اکرم ﷺ کی الفت و محبت کی بے نظیر چاشنی (مٹھاس) بھی پائی جاتی ہے، اسی لیے اہلِ محبت نے حضور علیہ السلام کے عشق و محبت سے لطف اندوز ہونے کے لیے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کو نہایت عقیدت و محبت سے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا ہے، اور تسلیٔ قلب (دل کے اطمینان) کی خاطر اسے پڑھتے اور سنتے ہیں۔

جب کبھی کوئی نعت خواں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کو ترنُّم (سُر) کے ساتھ پڑھنا شروع کرتا ہے تو ایک طرب انگیز (کیف پیدا کرنے والا) عالَم طاری ہو جاتا ہے، اور سامعین اپنے آپ کو دربارِ رسول ﷺ میں محسوس کرنے لگتے ہیں، کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام عشق و ادب، فصاحت و بلاغت (اعلیٰ زبان و بیان)، لَطافت و نَفاسَت (نرمی و پاکیزگی) سے مُرقّع (سجاہوا) ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شاعری فنّی اعتبار سے بہت بلند و بے نظیر ہے، اس لیے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جید عالم اور مجدِ دِ وقت تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شانِ رسالت کی نزاکتوں کو خوب سمجھتے تھے، لہٰذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعت گوئی کا پورا حق ادا کر دیا۔ اردو زبان میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے کا کلام آج دنیا میں موجود نہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبعی (فطرتی) شاعر تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فنِ لُغَت میں کسی کے سامنے زانوئے تَلَمُّذ خَم نہ کیے (شاگردی نہ کی)، نہ رفیع الدین سوقا سے شعر گوئی کا سودا (سلیقہ) طلب (حاصل) کیا، نہ میر درد سے اس کی بھیک مانگی، نہ غالب کے حسنِ تَخیُّل، نُدرتِ فکر (نایاب سوچ) اور شوخیِ گفتار کے سُوالی ہوئے، نہ حیدر علی آتش سے آتش فشانی (شدید جذبات و شدت بیان) کا فن سیکھا، نہ مومن خان مومن سے لَطافَت و نَزاکت کے حصول کی آرزو کی، نہ ذوق سے محاورات و بندش کی شائستگی کا ذوق طلب کیا۔

اگرچہ نَعت میں رَنگِ تَفَنُّن (نیاپن)، سُوز و گُداز (درد و اثر)، حُسنِ تَخَیُّل (خوبصورت خیال)، شَوخی و نُدرَت (انفرادیت)، لَطافَت و نَزاکَت و نَفاسَت (باریکی و خوبصورتی)، اور مَربُوط بَندِشِ مُحاوَرات (محاوروں کی خوبصورت ترتیب) کا جَمع کرنا کچھ آسان کام نہیں، جس نے بھی اس طرف تَوَجُّہ کی وہ اَدَب سے ہاتھ دھو بیٹھا، اور پَروازِ تَخَیُّل (خیال کی اُڑان) میں ایسی چوکڑی بھری کہ ایمان کی حُدود سے کہیں آگے نکل گیا، اور بعض نے تو کُفر و شِرک (اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا) کی تاریک گھاٹیوں میں جا کر سانس لی۔، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں خلافِ شرع (شریعت) تو درکنار، خلافِ ادب بھی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔

اکثر اہلِ ادب اور شُعَراء حضرات خود رُو شُعَراء (فطری شاعر) سے فطری تَنَفُّر (نفرت) رکھتے ہیں، اسی ایک تنگ نظری نے اعلیٰ حضرت کے کلام کو بغور پڑھنے سے اسے مانع رکھا (اجتناب (پرہیز) کیا)۔ اس لئے کہ کلام کی جو خوبیاں اعلیٰ حضرت کے کلام میں ہیں وہ عموماً دوسرے شاعروں میں نہیں۔ کاش کہ اہلِ ادب اور شُعَراء اعلیٰ حضرت کے کلام کو غور سے پڑھتے تو ان کے سامنے یہ حقیقت عَیاں (واضح) ہو جاتی کہ واقعی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خان صاحب بریلوی اردو کے نعت گو شُعَراء میں ہر حیثیت سے مُنفرِد (بے مثال) ہیں۔

اعلیٰ حضرت خود رُو شُعَراء میں سے نہیں مگر میں اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے درباری شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روحانی فیض پایا، صدیق اکبر سے ادب، فاروق اعظم سے مَتانَت (سنجیدگی)، عثمان ذوالنورین سے حیا، حضرت علی سے فصاحت و بلاغت، حسنِ بندش، تَخَیُّل، لطافت و نزاکت، حضرت بلال سے سوز و گداز (دل سوزی)، اور دیگر اکابر صحابہ سے روحانی فیوض حاصل کیے۔ رضی اللہ عنہم۔ انہی اکابر کو اعلیٰ حضرت کے روحانی اساتذہ کہنا چاہیے۔ اکثر شاگردوں کے کلام میں اپنے استاد ہی کا طرزِ تکلّم (اندازِ کلام) نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے کلام میں رنگِ اَسلاف رچا ہوا ہے ہر شعر کے ہر مصرعہ میں وُسعتِ معنی کی بہار ہے اور الفاظ کا دفتر نظر آتا ہے۔

ہر شعر میں آیاتِ قرآنی اور احادیث کے پاکیزہ (صاف، مقدس) کنایات (اشارات، ضمنی معنی) اُستوار (قائم) فرمائے گئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا اَشہب (قلم، کلام) اس میدان میں پوری روانی پر ہے، اور نُدرتِ تَخَیُّل (نایاب تَخَیُّل، ممتاز خیال) عرش کی بلندیوں پر ہے۔ جِدّتِ تمثیل (جدید تشبیہ)، حسنِ تشبیب (خوبصورتی سے بیان)، پاکیزہ

تشبیہات (مقدس مثالیں)، مقدمی استعارات (ابتدائی استعارے)، لاجواب فصاحت (بے مثال فصاحت)، باکمال بلاغت (اعلیٰ بیان)؛لفظ لفظ جوہر معنی کا حسین مُرَقّع (خوبصورت مرقع،زینت دار)، ہر حرف لطافت جمال (ہر حرف جس میں جمال کی جھلک) کا آئینہ دار ہے۔ غرض یہ کہ اعلیٰ حضرت کا کلام جملہ اَصنافِ شعر گوئی (تمام قسم کے شعر) پر حاوی (غالب) نظر آتا ہے، جیسا کہ سید ڈاکٹر لطیف حسین ادیب، ایم اے، لکھتے ہیں:

"حدائقِ بخشش تاریخِ تصنیف ۱۳۲۵ہجری ہے:"رضا (احمد رضا) غزل کے شاعر نہیں تھے۔ اُمیدِ رضوی (قریب، رشتہ دار) جو ان کے چھوٹے بھائی حسن بریلوی کے نواسے ہیں، فرماتے ہیں کہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی زندگی میں صرف چند غزلیں کہی تھیں اور انہیں بھی ضائع (فنا) کر دیا۔ البتہ، ان کے قریبی حلقے سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد غزل پر اصلاح (درستگی) چاہتا تو وہ انکار (منع) نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ نے (اپنے برادر خورد) حَسن کو بھی ہمیشہ غزل گوئی سے باز رہنے کی تلقین (تنبیہ) کی۔ آپ کے اس ریحانِ طبیعت (لطیف اور خوش طبع طبیعت) کا اثر نعت پر یہ ہوا کہ غزل کی مٹھاس میں اثر انگیزی (جذبہ، تاثیر) اور ترنّم (سُر) سے محروم (خالی) ہو گئی۔ در حقیقت، مولوی احمد رضا خان صاحب عالم دین ہونے کے ساتھ ہی شرعی معاملات میں سخت گیر (بہت زیادہ محتاط) واقع ہوئے تھے۔ ان کی طبیعت نے یہ پسند نہیں کیا کہ رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے انسان کی مدح کی جائے۔ غزل تو خیر انہوں نے لکھی ہی نہیں۔ لیکن نعت بھی اس سخت گیری کا شکار ہو گئی۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکہ آئے　　　　لا اسے پیش جلوۂ زمزمہ رضا کہ یوں

اب ظاہر ہے کہ شعر میں، پاسِ شرع (شریعت کی حدود) کے ساتھ، کتنا ہی حسن (خوبصورتی، جمال) پیدا کرنے کی سعی (کوشش) کی جائے، لیکن وہ بے ساختگی (فطری آسانی، قدرتی روانی) نہیں مل سکتی، جو شعر کی پہلی شرط ہے۔ شرعِ مبین (واضح شریعت) کی پابندی اس میں شک نہیں کہ ضروری ہے، اور فنِ نعت کو کبھی اور کسی بھی دور میں شُترِ بے مہار (بے قابو، بے لگام) نہیں بنایا جا سکتا۔ مگر شعر کی بھی چند بنیادی ضرورتیں ہیں، جن کا پورا کرنا لازمی ہے۔ بہترین نعت وہی ہے جس میں شرعِ مبین ہی کا خیال (احتیاط، غور) ذہن پر حاوی (غالب) ہو گا۔ شعر میں زندگی پیدا نہیں ہو گی، جب بھی نعت گو کے ذہن پر پاسِ شرع (شریعت کی حدود) کا خیال مُسَلّط (غالب) ہو گا، تو ایک طرف مضامینِ نعت محدود ہو جاتے ہیں، اور دوسری طرف اُسلوبِ بیان (طرزِ بیان) گراں بار (بھاری، مشکل) ہو جاتا ہے۔

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے　　　　سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گمان ہے

تاہم، ایک محدود دائرہ سے گردش (گشت) کرنے کے باوجود حضرت رضا بریلوی نے درود و نعت کی خدمت کی ہے، جس کا ذکر اس مقام پر ناگزیر ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا، مولوی احمد رضا خاں رضا بریلوی کی ہستی (ذات، شخصیت) محتاجِ تعارُف (تعارف کے محتاج) نہیں ہے۔ آپ ہمارے ماضی قریب کے جید (اعلیٰ مرتبے کے عالم) گزرے ہیں، سینکڑوں کتابوں کے مصنّف ہیں، اور عربی زبان کے بہترین خطیب (خطاب کرنے والے) تھے۔ اہلِ علم آپ کو ستارۂ ہند کہا کرتے تھے۔ فقہ پر ایسی دستگاہ (مہارت، قابلیت) حاصل تھی کہ وہ عالم بھی، جنہیں آپ کے نظریات سے اختلاف تھا، آپ کا لوہا مانتے تھے۔ نعت میں شعر لکھتے وقت محویّت (شدتِ توجہ) کا یہ عالم ہوتا تھا کہ اختصار (مختصر انداز) کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا۔ اور آخر میں وہ یہی کہتے ہیں:

ہو گئی میری غزل پڑھ کر قصیدہ نور کا

چنانچہ رضا کی زیادہ تر نعتیں طویل(لمبی) ہیں۔ آپ کا کلام حدائقِ بخشش تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اردو نعتیں ہیں، دوسرے حصے کے ساتھ فارسی کلام بھی شامل ہے، اور تیسرا حصہ عربی پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں ناشر کی غَلَطِی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر تھوپ دی گئی ہے، جس کے جوابات اور تحقیق اسکی شرح میں موجود ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی مادرزاد ولی: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدّس سرّہ کو جس نے جس رنگ(حیثیت،پہلو) میں دیکھا، تو اُن کو اسی رنگ میں کامل بلکہ یکتا(بے نظیر) پایا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ مادرزاد ولی (پیدائشی ولی، فطری ولی) تھے، جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر معاملہ میں آپ کی خود نگہداشت(حفاظت) فرمائی۔ آپ کے مادرزاد ولی ہونے کے لیے چند شواہد(ثبوت، دلیل) حاضر ہیں:

1۔ جب مولانا احمد رضا خان بریلوی، ۱، شوال ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے، تو آپ کے جدِّ امجد حضرت مولانا علامہ رضا علی خان قدس سرہ کو خواب میں بشارت(خوشخبری، اطلاع) ہوئی کہ یہ فرزند(بیٹا) فاضل(عالم) و عارف ہو گا۔ یہ بشارت ایک مدّت(وقت، عرصہ) پہلے سنی گئی، لیکن رہتی دنیا تک اس کی تصدیق(ثبوت، حقانیت) ہوتی رہے گی، اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ولایتِ کاملہ(پوری اور کامل ولایت) کی شہادت اہلِ حق(سچے اولیاء، حق پسند لوگ) دیتے رہیں گے۔

2۔ اعلیٰ حضرت فطری(پیدائشی، قدرتی) طور پر غیر معمولی(بے مثال) ذہین تھے۔ قدرت نے حافظہ بھی بلا کا عطا کیا تھا۔ چار(۴) سال کی عمر میں قرآنِ حکیم ختم کر لیا۔ قوتِ حافظہ کے واقعات آپ کی سوانحِ عمری(زندگی کی تفصیلات) پر مشتمل کتب(کتابوں) میں موجود ہیں۔ یہ قوتِ حافظہ عطائے الٰہی(اللہ کی طرف سے دی گئی) ہے، جسے دینی خدمات پر خرچ کرنے کی توفیق(سعادت، موقع) ولایت کی دلیل(ثبوت) ہے۔ اور پھر، چار(۴) سال کی عمر میں قرآنِ حکیم ختم کر لینا معمولی(سادہ، عام) بات نہیں، کیونکہ اس عمر میں تو عموماً بچے دنیوی امور(عام زندگی کے کام) سے بھی لاشعور(بے خبر) ہوتے ہیں، چہ جائیکہ قرآنِ مجید پڑھ کر ختم کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

۳۔ قرآنِ پاک ختم کرنا صرف لفظی نہ تھا، بلکہ خالقِ کائنات نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو اس کی سمجھ(فہم، ادراک) بھی اسی عمر میں عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ کی سوانحِ عمری(زندگی کی تفصیل) میں ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی چھ(۶) سال کی عمر شریف تھی کہ ماہِ ربیع الاول میں، کثیر مَجمع(بڑے ہجوم، بہت سے لوگوں) کے سامنے، رسالۂ میلاد شریف ممبر پر بیٹھ کر پڑھ کر سنا یا دیا۔

غور فرمایئے! اس عمر میں بچے عام طور پر اجنبی(ناواقف) آدمی کے سامنے بولنے میں جھجھکتے ہیں، بلکہ اسے چہرہ دکھانے سے بھی گھبراتے ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر فضلِ الٰہی تھا کہ نہ صرف دو چار آدمیوں کے سامنے بلکہ کثیر مجمع میں ایک مستقل موضوع پڑھ کر سنا دیا۔

نورِ الٰہی پیشانی میں: منقول(روایت کیا گیا، بتایا گیا) ہے کہ حجِ اول کے موقع پر آپ مقامِ ابراہیم میں ایک مرتبہ نمازِ مغرب ادا فرما رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، تو امام شافعیہ حسین بن صالح جمل َاللیل نے مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کو بغیر کسی سابق تعارف(پہلے سے جان پہچان) کے ہاتھ پکڑ کر اپنے مکان(گھر) لے گئے اور دیر تک مولانا کی پیشانی پر ہاتھ رکھے رہے، اور فرمایا: " أَنِّي لَأَجِدُ نُورًا اللہ مِنْ هَذَا الْجَبِينِ "یعنی میں اس پیشانی میں اللہ کا نور دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد، اَز راہِ شفقت(محبت اور عنایت کے سبب) صحاح ستہ(چھ مشہور حدیث کی کتابوں) کی سند(ثبوت، اجازت) اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت(تایید، اجازت) اپنے دستخطِ خاص(خاص دستخط) سے مَرحَمَت فرمائی، اور ارشاد فرمایا: "تمہارا نام ہم نے ضیاء الدین احمد رکھا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (الحدید:21) یعنی یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

مکی تصنیف: مکہ معظمہ میں اپنے استاد محترم شیخ جمل َاللیل کے ارشاد (ہدایت، حکم) کی تعمیل میں، مولانا نے کتابچہ جو ھرِ مضیہ کی شرح دو دن میں لکھی۔ یہ کتابچہ شافعی مسلک کے مطابق مناسکِ حج (حج کے فرائض و آداب) پر مشتمل ہے، اور شیخ حسین بن صالح کی تصنیف (تحریر) ہے۔ مولانا مرحوم نے جوھرِ مضیہ کے ترجمہ کا نام "النَّیِّرَۃُ الْوَضِیئَۃُ فِي شَرْحِ الْجُوْھَرَۃِ الْمُضِیئَۃِ "رکھا اور شیخ جمل َاللیل کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے تحسین (تعریف، ستائش) فرمائی اور دعا (خیر کی دعا) دی۔[1]

خواب کی تعبیر: سوانح عمری میں ہے کہ اعلیٰ حضرت ابھی بطنِ مادر (ماں کے پیٹ) میں ہی جلوہ افروز (جلوہ گر) تھے کہ ایک شب (رات) آپ کے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب سا خواب دیکھا، اس خواب کی اس قدر بے چینی تھی کہ آنکھ کھل گئی۔ باقی تمام رات جاگ کر حالتِ اضطراب (بے چینی، پریشانی) میں گزاری۔ صبح ہونے پر بھی جب تشویش (بے چینی) باقی رہی، تو آپ نے اپنے والد محترم حضرت شاہ رضا علی خان کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام خواب بیان کیا اور تعبیر کے طالب ہوئے۔ حضرت نے آپ کو تسلّی دی اور فرمایا کہ یہ خواب بہت مبارک (برکت والا) ہے۔ پروردگارِ عالم تجھے ایک فرزند عطا فرمائے گا، جس کی عِلمیّت (علمی حیثیت) کی دُھوم (شُہرت) چار دانگِ عالَم (پوری دُنیا) میں ہو گی۔، اور جو علم کے دریا (علم کے وسیع ذخائر) بہائے گا۔ غرض، آپ کی ولادت سے قبل (پہلے) ہی آپ کی تشریف آوری کا مقصد عظیم ظاہر ہونے لگا تھا۔ آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جیسے جیسے اَمّن میاں (اعلیٰ حضرت) کی پیدائش کے دن قریب آرہے تھے، گھر کے ہر فرد پر ایک عجیب سی مسرّت (خوشی، خوشحالی) و محوِیّت (توجہ) طاری تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام فضا مُعطّر (خوشبودار) اور عطر بیز (خوشبو سے معمور) ہو گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا سنِ پیدائش قرآنِ پاک کی اس آیت سے اِستخراج (حاصل) فرما کر دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے نیک بندوں کو پیدا فرماتا ہے تو وہ ان کے دلوں پر ایمان نقش (کندہ، ثبت) کر دیتا ہے، اور وہ دنیا میں آکر بھی کسی بدی یا مُلَوّث نہیں ہوتے (برائی اور گندگی سے ناپاک نہیں ہوتے)۔

فائدہ: وہ آیت قرآنی پ۲۸ میں ہے۔ فقیر اسے مع تفسیر (تشریح کے ساتھ) عرض کر رہا ہے۔

أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ أُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلہ:۲۲)

ترجمہ: جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا، اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی، اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی، اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ یہ اللہ کی جماعت ہے، سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

فائدہ: آیتِ مبارکہ کا ہر جُملہ اَعلیٰ حضرت قدّس سرّہ کی زندگی کے لمحات کی تائید کرتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے صرف جملہ أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ہے، اور اس کے بعد کے تمام جملے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی سعادتِ علمی و عملی (علم و عمل میں کامیابی) کی دلیل ہیں۔

---

(1) (تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی، ص 111، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، بیت الحکمۃ، مدینۃ الحکمۃ، شاہراہ مدینۃ الحکمۃ، کراچی، اشاعتِ اول: 1961ء)

شواہدِ غیبیہ: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ ایک روز کسی نے دروازہ پر آواز دی۔ اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ (ان کی عمر اس وقت تقریباً دس برس تھی) باہر تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک فقیر دروازے پر کھڑے ہیں، آپ کو دیکھتے ہی فرمایا: "آؤ"! آپ تشریف لے گئے، بزرگ نے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "تم بہت بڑے عالم ہو۔"

۲ - جناب سید ایوب علی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ محلہ سوداگراں کی مسجد کے قریب، آپ کی طُفولیّت (بچپن) کے زمانہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کو سر سے پاؤں تک بغور (احتیاط و غور سے) دیکھا اور کئی بار دیکھا، پھر فرمایا: "تم رضا علی خاں صاحب کے کون ہو؟" حضور نے جواب دیا: "میں اُن کا پوتا ہوں۔" فرمایا: "جبھی!" اور فوراً تشریف لے گئے۔

فائدہ: "جبھی" میں اشارہ تھا کہ آپ علامہ رضا علی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں، اسی لیے آپ میں آثارِ سعادت (خوش نصیبی، برکت) چمک رہے ہیں۔

بسم اللّٰہ خوانی آغازِ تعلیم: صحیح طور پر نہ معلوم ہو سکا کہ اعلیٰ حضرت کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی مگر وقتِ بسم اللہ خوانی ایک عجیب واقعہ پیش آیا: حضور کے استاد محترم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد الف-با-تا-ثا (حروفِ ابتدائیہ) جس طرح پڑھایا جاتا ہے، پڑھایا۔ حضور ان کے بتانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب الف اور لام کی نوبت آئی، تو استاد صاحب نے کہا: "کہو لام-الف"۔ حضور خاموش ہو گئے اور نہیں کہا۔ استاد نے دوبارہ کہا: "کہو میاں، لام-الف"۔ حضور نے فرمایا: "یہ دونوں تو پڑھ چکے ہیں، لام بھی پڑھ چکے ہیں، الف بھی پڑھ چکے ہیں۔ یہ دوبارہ کیسا؟" اس وقت حضور کے جدِّ امجد اعلیٰ حضرت مولانا رضا علی خان صاحب قدس سرہ، جو جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے، فرمایا: "بیٹا، استاد کا کہا مانو، جو کہتے ہیں پڑھو۔" حضور نے اپنے جد امجد کے حکم کی تعمیل کی اور ان کے چہرہ کی طرف نظر کی۔ حضور نے اپنے فَراست (دانائی) اور ایمان سے سمجھا کہ اس بچے کو شبہ (شک) ہو رہا ہے کہ یہ حروفِ مُفردہ (الگ الگ حروف) کا بیان ہے، اب اس میں ایک مُرکّب لفظ کیسے آیا، ورنہ یہ دونوں حرف الگ الگ تو پڑھ ہی چکے ہیں۔ اگرچہ بچے کی عمر کے اعتبار سے اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا، مگر جد امجد نے نورِ باطنی سے سمجھ لیا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے۔ اس لیے ابھی سے اَسرار و نکات (راز و رموز) کا ذکر ان کے سامنے مناسب سمجھا اور فرمایا: "بیٹا، تمہارا خیال درست اور سمجھنا بجا ہے، مگر بات یہ ہے کہ شروع میں جس کو تم نے الف پڑھا، حقیقتاً وہ ہمزہ ہے، اور یہ در حقیقت الف ہے، لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن کے ساتھ ابتداء (شروع) ناممکن ہے۔ اس لیے ایک حرف یعنی لام اول میں لگا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔" حضور نے فرمایا: "تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا، اتنے دور کے بعد لام کی کیا خصوصیّت ہے؟" با، تا، دال، سین اول لا سکتے تھے۔ حضرت جد امجد نے غایتِ محبت و جوش (انتہائی محبت و جوش) میں گلے لگا لیا اور دل سے بہت دعائیں دیں۔ پھر فرمایا کہ لام اور الف میں صورتاً و سیرتاً مناسبتِ خاص ہے۔ ظاہراً لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے، اور سیرتاً اس وجہ سے کہ لام کا قلب (دل) الف ہے، یعنی یہ اس کے بیچ میں ہے۔ اور وہ لام اس کے بیچ میں، گویا

ے مَنْ تُو شُدَمْ، تُو مَنْ شُدِی؛ مَنْ تَنْ شُدَمْ، تُو جَاں شُدِی — تَا کَسْ نَگویَدْ بَعْدَ اَزْ اِیں، مَنْ دِیگَرَمْ تُو دِیگَرِی[2]

---

(2)۔ میں تم ہو گیا، تم میں ہو گئے۔ میں جسم بنا، تم جان بن گئے۔ تا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں الگ ہوں اور تم الگ ہو۔ (ط۔ ضیائی)

کہنے کو تو حضور کے جدِّ امجد نے اس لام-الف کو مُرکّب لانے کی وجہ بیان فرمائی، لیکن باتوں باتوں میں سب کچھ بتادیا اور اَسرار و حقائق کے رُموز اور اِشارات کے دریافت واِدراک کی صلاحیّت و قابلیّت اسی وقت سے پیدا کر دی، جس کا اثر سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شریعیت میں وہ اگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قدم بہ قدم ہیں، تو طریقت میں حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے نائبِ اَکرم ہیں۔

دورانِ تعلیم کی کرامت: اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں کہ میں ایک استاد صاحب سے ابتدائی کتاب پڑھتا تھا۔ جب مجھے سبق پڑھادیا کرتے، ایک دو مرتبہ دیکھ کر کتاب بند کر دیتا، جب سبق سنتے تو حرف بہ حرف، لفظ بہ لفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر تعجب کرتے۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے: 'احمد میاں! یہ تو کہو تم آدمی ہو یا فرشتہ، مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے، مگر تم کو یاد کرنے میں دیر نہیں لگتی۔" ابتدائی کتابیں اُن مولوی صاحب سے جب حضور نے پڑھ لیں، تو میزان، منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔

مرزا صاحب مرحوم کا تعارف: مولانا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ علیہ کا گوراچٹّہ رنگ، عمر تقریباً اسّی(۸۰) سال، داڑھی اور سر کے بال ایک ایک کر کے سفید ہو گئے تھے۔ عمامہ باندھے رہتے تھے، اور جب کبھی اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لاتے تو اعلیٰ حضرت بہت ہی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ امر تلالین میں تھا۔ وہاں سے اکثر سوالات، جواب طلب بھیجا کرتے تھے، فتوٰی میں اکثر استفادہ ان کے سوالات سے ہوتا تھا۔ انہی کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ "تَجَلِّي الْيَقِينِ بِأَنَّ نَبِيَّنَا سَيِّدُ الْمُرْسَلِينَ" تحریر فرمایا۔ اعلیٰ حضرت ان کی بات بہت مانا کرتے تھے۔ جب کوئی اہم کام سمجھا جاتا، لوگ حضرت مرزا صاحب کے توسّط سے سفارش لاتے، ان کی سفارش کبھی رائیگاں نہیں جاتی تھی۔ اعلیٰ حضرت ان کا بہت زیادہ خیال فرماتے، اور جو کچھ وہ عرض کرتے، ان کی عرض قبول فرماتے۔ مرزا صاحب بہت بڑے صاحبِ تقویٰ(پرہیز گار) اور اعلیٰ حضرت کے فدا کار(جانثار) تھے۔ خدا کے فضل سے وہ صاحبِ اولاد بھی تھے۔ ان کا صاحبزادہ مرزا عبد العزیز بیگ صاحب تھا، جو دینیات سے واقف اور طبیب تھے۔

بہتان کا جواب: یہ تعارُف فقیر نے اس لیے لکھا ہے کہ ظہیر الٰہی(بدمذہب) جیسے بہتان تراشوں نے لکھ دیا ہے کہ مرزا غلام قادر، غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت ان سے پڑھتے تھے اور ان میں مرزائیت پائی جاتی تھی۔ یہ سراسر بہتان اور جھوٹ ہے، کیونکہ مرزا غلام قادر اور مرزا صاحب بھائی نہیں تھے۔ اسی طرح دیوبندی یہ بھی مشہور کر رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت دیوبند میں پڑھے، یہ بھی غلط ہے۔ اس پر کہا جا سکتا ہے: " لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ" (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔)

استاد اور والد: اعلیٰ حضرت نے دینیات(دینی علوم) کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی خان صاحب قادری برکاتی مُتولّد(پیدائش)۱۲۴۶ھ، مُتَوفّٰی(وفات)۱۲۹۷ھ سے تمام فرمائی، اور تیرہ(۱۳) سال دس(۱۰) مہینے کی عمر میں ۱۲۸۶ھ سے تمام درسیات سے فراغت پائی۔

بچپن میں عربی گفتگو: مولوی عرفان علی صاحب قادری رضوی بیسلپوری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: "میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا، اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی تھی۔ ایک صاحب اہل عرب کے لباس میں جلوہ فرما ہوئے، اور معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی، میں نے فصیح عربی میں اُن سے گفتگو کی۔ اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا۔"

بچپن میں عربی تصنیف: صرف آٹھ(۸) برس کی عمر میں اعلیٰ حضرت نے فنِ نحو کی مشہور عربی تصنیف کتاب هداية النحو پڑھی، اور خدا داد علم کے زور کا یہ عالَم تھا کہ اسی عمر میں هداية النحو کی شرح عربی زبان میں لکھ ڈالی۔(سوانح امام احمد، صفحہ نمبر ۸۹)

بچپن کا فتویٰ: اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے والدِ گرامی کی نگرانی میں بچپن سے ہی کئی فتاوے مرتّب کیے(ترتیب دیئے)۔ آپ کے اَوائل کا(ابتدائی مراحل کے)دور کا ایک معرکۃ الآراء فتویٰ(ایسا فتویٰ جس میں علماء کی مختلف آراء ہوں) یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اٹھارہ(۱۸)برس کی عمر میں آپ کو دار الافتاء کا کام سونپ دیا گیا۔ آپ کے دورِ فتویٰ نویسی(فتویٰ لکھنے کے زمانے) میں ایک صاحب رام پور سے حضرت علامہ مولانا نقی علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک فتویٰ لے کر حاضر ہوئے، جو حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری مرحوم کا جاری شدہ تھا اس پر اکثر و بیشتر علمائے ہند کی تصریحات موجود تھیں، پیش کیا۔ اور جواب لکھنے کی درخواست کی۔ حضرت مولانا نقی علی خان صاحب نے فرمایا: "ساتھ والے کمرے میں مولوی صاحب بیٹھے ہیں، ان سے جواب لکھوالو۔" وہ صاحب اس بات پر اصرار کرتے ہوئے کہ "ہم تو آپ کی شہرت سن کر آپ سے جواب لینے آئے ہیں، اور آپ ہمیں کسی اور کی طرف بھیج رہے ہیں"۔ بہر حال، وہ مولانا نقی علی خان صاحب کے حکم پر کمرے میں گئے اور حیران رہ گئے کہ ایک صاحب زادہ مسندِ دار الافتاء پر جلوہ افروز ہیں۔ وہ دوبارہ حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "حضور، ہم تو آپ سے فتوے کا جواب لیں گے۔" آپ نے فرمایا کہ آج کل دار الافتاء کا اِنصرام(انتظام) ان ہی صاحب زادے کے ذمے ہے وہی آپ کو جواب دیں گے۔ وہ صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جواب طلب کیا۔ آپ نے فتویٰ کا جواب کچھ ایسے دلائل کے ساتھ تحریر فرمایا کہ تمام علمائے ہند اور خصوصاً حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری کے جواب کی نفی ہو گئی۔ اعلیٰ حضرت کے والد گرامی نے فتوے پر مہر تصدیق ثَبت فرمائی۔ جب فتویٰ نوابِ رام پور کی نظر سے گزرا، اس نے مطالعہ کے بعد محسوس کیا کہ علمائے ہند نے مولانا ارشاد حسین رامپوری کی تصدیق کی، لیکن بریلوی شریف کے دو عالم، مولانا کے جواب کا رد کر رہے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے، نوابِ رام پور نے فوراً مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری کو طلب کر کے فتویٰ کا جواب پیش کیا اور استفسار کیا۔ نثار جایئے مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری کی حق گوئی پر کہ آپ نے فتویٰ دیکھتے ہی اپنی غلطی تسلیم کر لی اور یہ اعلان فرمایا کہ "علمائے بریلوی شریف کا فتویٰ بالکل درست اور حق بجانب ہے۔" اس پر نوابِ رام پور نے مولانا سے پوچھا کہ آپ کی تصدیق تمام علمائے ہند نے کر دی لیکن اب آپ بریلوی کے فتوے کو درست فرماتے ہیں؟ مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری نے کہا کہ "علمائے ہند نے میرے علمی رعب سے تصدیق کر دی تھی۔"

مُکالَمۂ اعلیٰ حضرت اور علامہ عبد الحق خیر آبادی رحمہما اللہ تعالیٰ: اَعْلٰی حَضْرَت ایک دفعہ کسی ضَرُورَت(حاجت) سے رام پُور تشریف لے گئے۔ وہاں جناب مَولانا عَبْدُ العَلِی صاحب(رحمۃ اللہ علیہ) سے مُلاقات ہوئی، جو عِلْمِ ہَیْئَت(فلکیات) کے مَشْہُور فاضِل تھے۔ چند روز اُن کی خِدْمَت میں رہ کر شَرْحِ چَغْمِینِی کے اَسْباق پڑھے۔ دُوسری مرتبہ بعض خاص رِشتہ داروں کے یہاں رام پُور تشریف لے جانے کا اِتِّفاق(موقع) ہوا۔ حضرت کے خُسَر(سسر) جناب فَضْل حُسَیْن صاحب مرحوم، حضور نوابِ رام پُور، نواب کَلْبِ علی خان صاحب بہادر مغفور کے یہاں بہت ہی علیحدہ(ممتاز) تھے۔ نواب صاحب کے دربار میں اَعْلٰی حَضْرَت کا تذکرہ ہوا۔ نواب صاحب مُشْتاقِ مُلاقات ہوئے۔ حَسَبِ طَلَب(درخواست کے مطابق) خُسَر صاحب نے خاص اپنے پلنگ پر بیٹھنے کے لیے فرمایا اور کچھ عِلْمی باتیں پوچھتے رہے۔ اتنے میں فرمایا کہ یہاں مولانا عَبْدُ الحَق صاحب خَیْر آبادی مَشْہُور مَنْطِقِی(منطق کے ماہر) ہیں، آپ اِن کی کچھ منطق کی کتابیں، قُدَماء(قدیم علماء) کی تصنیفات ہیں، یہ پڑھ لیجیے۔ اَعْلٰی حَضْرَت نے فرمایا کہ اگر والدِ ماجد صاحب کی اجازت ہو گی تو کچھ دن یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اِتِّفاقاً اُسی وقت جناب مولانا عَبْدُ الحَق صاحب مرحوم خَیْر آبادی بھی تشریف لے آئے، جن سے نواب صاحب نے اَعْلٰی حَضْرَت کا تعارف کیا تھا اور فرمایا: بَوُجودِ کَم سِنی(کم عمری) اِن کی کتابیں سب ختم ہیں اور اپنے مشورے کا ذکر فرمایا۔ مولانا عَبْدُ الحَق صاحب مرحوم کا عَقِیدہ تھا کہ دنیا میں صرف ڈھائی

عالِم ہوئے ہیں: ایک مولانا بَحْرُالعُلُوم، دوسرے والد مرحوم، اور نصف بندہ معصوم۔ انہوں نے اَعْلٰی حَضْرَت سے دریافت فرمایا کہ منطق میں اِنتہائی (آخری درجے کی) کون سی کتاب آپ نے پڑھی ہے؟ اَعْلٰی حَضْرَت نے فرمایا: **قاضی مُبارَک**۔ یہ سُن کر دریافت فرمایا کہ **شرحِ تہذیب** پڑھ چکے ہیں؟ یہ طعن آمیز (طنزیہ) سوال سن کر اَعْلٰی حَضْرَت نے فرمایا: جنابِ عالی! **قاضی مبارک** کے بعد **شرح تہذیب** پڑھائی جاتی ہے۔

یہ سوال سیر کا سوا سیر ہوا، تو جناب مولانا عَبْدُ الحَق صاحب نے سوال کا رُخ دوسری جانب پھیرا اور پوچھا: اب کیا مشغلہ (مصروفیت) ہے؟ فرمایا: تَدْرِیس، اِفتاء و تَصْنِیف۔ فرمایا: کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ فرمایا: مسائلِ دِینیہ اور رَدِّ وہابیہ۔ یہ سُن کر فرمایا: ردِّ وہابیہ ایک میرا وہ بدایونی خَبطی (دیوانہ) ہے کہ ہمیشہ اسی خَبط (دیوانگی) میں رہتا ہے اور ردِّ وہابیہ کیا کرتا ہے۔ اشارہ حضرت مقتدائے مِلّت تاج الفحول محبّت الرسول، جناب مولانا شاہ عَبْدُ القادر صاحب بدایونی کی طرف ہے۔ اَعْلٰی حَضْرَت نے سنتے ہی فرمایا: جناب کو معلوم ہو گا کہ وہابیہ کا ردّ سب سے پہلے جناب مولانا فَضْلِ حَق خَیْر آبادی، جناب کے والدِ ماجد ہی نے کیا، اور مولوی اِسْمٰعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکِت (خاموش) کیا۔ ان کے ردّ میں ایک مستقل رسالہ بنام **تَحْقِيقُ الْفَتْوٰى فِي إِبْطَالِ الطُّغْوٰى** تحریر فرمایا ہے۔ اس پر مولانا عَبْدُ الحَق صاحب خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔

اَعْلٰی حَضْرَت فرمایا کرتے تھے: "جب تک حضرت والد صاحب عالَمِ حیات میں تھے، جو کچھ میں لکھتا، والدِ ماجد کو دکھالیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی ضرورت پر اِصلاح فرما دیتے تھے۔ عِلْمی مضامین اور تحقیقاتِ مسائل کو ملاحظہ فرما کر مَسرور (خوش) ہوتے اور جلیل دعاؤں سے سرفراز فرماتے۔ اِنہی مُسْتَجاب دُعاؤں کا اَثَر ہے کہ اُس وَقْت سے آج تک دِینی خِدْمات اَدا کرنے میں بَدمَذہبوں کی عیاری (فریب) کے پَردے چاک کرتا رہا اور مُصْطَفٰی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی بھولی بھیڑوں کو عیار (فریبی) بھیڑیوں سے بچاتا رہا ہوں، اور بِفَضْلِہٖ تَعالٰی (اللہ کے فضل سے) اِن تمام بے دینوں کے مُقابل غالب و مَنْصُور (کامیاب) رہا ہوں اور بَدمَذہب خائِب و خاسِر (ناکام و نقصان اٹھانے والے) رہے ہیں۔ اِس دِینی خِدْمَت پر مولا تَعالٰی کا شکر بجالاتا ہوں۔"

حضرت مفتیِ اعظم ہند مولانا شاہ مُصْطَفٰی رِضا خان صاحب کا فرمان ہے کہ اَعْلٰی حَضْرَت رضی اللہ عنہ کی عبارتوں کی اصلاح، سوائے جَدِّ اَمْجَد (مولانا نقی علی خان صاحب) عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کے، کسی نے بھی نہیں کی ہے۔

بیعت و خلافت: اَعْلٰی حَضْرَت فرماتے تھے کہ میں جُمادَی الاُولٰی ۱۲۹۴ھ میں شَرَفِ بَیْعَت (مرید ہونے کی سعادت) سے مُشَرَّف ہوا۔ تَعْلِیمِ طریقت حضور پُرنور پیر و مُرشِدِ بَرحَق سے حاصل کی۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وِصال ہوا تو قبلِ وِصال مجھے حضرت سَیِّدُنا سَیِّد شاہ اَبُو الحُسَین اَحْمَد نُورِی، اپنے اِبْنُ الاِبْن (پوتے)، وَلِی عہد (جانشین) سَجّادہ نَشِین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نُوری میاں صاحب سے بعض تَعْلِیمِ طریقت اور عِلْمِ تَکْسِیر (اعدادی علم)، عِلْمِ جَفْر وغیرہ عُلُوم میں نے حاصل کیے۔

اساتذہ کی فہرست: اَعْلٰی حَضْرَت کے اَساتِذہ کی فہرست بہت مُخْتَصَر ہے۔ حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ پنجتن پاک کے عُشّاق (محبت کرنے والے) صرف یہ پنج نُفوسِ قُدسیہ (پاک نفوس) ہیں۔

۱۔ اَعْلٰی حَضْرَت کے وہ اُستاد جنہوں نے اِبْتِدائی کتابیں پڑھائیں۔

۲۔ جناب مِرزا غُلام قادِر بیگ رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ جنابِ مولانا عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ حضرتِ سُلالۂ خاندانِ برکات سید ابو الحسین احمد نوری اور والدِ ماجد کے پیرُومرشد قدس سرّہُما العزیز کو شامل کر کے چھ (۶) نُفوسِ قُدسیہ ہوتے ہیں۔ ان چھ (۶) حضرات کے علاوہ حضور نے کسی کے سامنے زانوئے ادب نہیں خم کیا۔ مگر خُداوندِ عالم نے محض اپنے فضل و کرم اور آپ کی محنت و خداداد ذہانت کی وجہ سے آپ کو اتنے علوم و فنون کا جامع بنایا کہ پچاس (۵۰) فنون میں حضور نے کتابیں تصنیفات فرمائیں۔ اور علوم و مَعارِف کے وہ دریا بہائے کہ خدّام (غلاموں) و معتقدین (اہلِ محبت) کا تو کیا کہنا، مخالفین بھی اپنی سیاہ قلبی (کالے دل) کی وجہ سے برائیاں کرتے، مگر ساتھ ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ یہ سب کچھ ہے لیکن مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ ہیں، جس مَسئلے پر قلم اُٹھا دیا، مُخالِف و مُوافِق کو دَمِ زَدَن (بات کرنے) کی گنجائش نہ ہوتی۔

اعترافِ حق : نواب وَحید اَحْمَد صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی اِحسان حُسَیْن، جو نہایت نیک خُلْق (اچھے اخلاق والے)، بے لَوث (مخلص) اور حد درجہ دِین دار تھے، جامع مسجد بریلوی میں لِوَجْہِ اللّٰہ (اللہ کی رضا کے لیے) درسِ حدیث (حدیث کا درس)، بعد از نمازِ ظہر دیتے تھے، اور اپنا بیشتر وقت جامع مسجد ہی میں مُطالَعۂ حدیثِ شریف، درود و وظائف میں گزارتے تھے۔ انہوں نے فقیر کو جامع مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کی نہ صرف تلقین (نصیحت) کی بلکہ شوق بھی دلوایا۔ چنانچہ بِفَضْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی (اللہ کے فضل سے) فقیر جامع مسجد میں نمازِ پنجگانہ (پانچوں وقت کی نماز) ادا کرنے لگا۔ یہ فقیر انگریزی اسکول میں جماعت ششم (چھٹی) میں پڑھتا تھا، تو یہی مولوی صاحب فارسی زبان کی تعلیم کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔

دورانِ تعلیم کا ایک عجیب واقعہ: مولوی صاحب مَوْصُوف (مذکور) سے ایک مرتبہ فقیر نے اِستِفْسار (پوچھا) کیا کہ اَعْلٰی حَضْرَت امامِ اہلِ سنّت مولانا اَحْمَد رِضا خان صاحب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ مولوی موصوف نے اَعْلٰی حَضْرَت کے عِلْم و فَضْل کی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ میں اَعْلٰی حَضْرَت قبلہ کا اِبتِدائی تَعْلِیمِ عَرَبِی میں اُستاد رہا ہوں۔ شروع ہی سے اَعْلٰی حَضْرَت کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ اُستاد سے کبھی رُبُع (چوتھائی) کتاب سے زیادہ نہیں پڑھی۔ ایک رُبُع کتاب اُستاد سے پڑھنے کے بعد، وہ تمام کتاب ہی یاد کر لیتے تھے۔

☆۔ انہی کا بیان ہے کہ اس قسم کے واقعات مولوی صاحب کو بار بار پیش آئے، تو ایک روز تنہائی میں حضور سے کہنے لگے: "صاحبزادے، سچ سچ بتا دو، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ تم انسان ہو یا جن؟" آپ نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے کہ میں انسان ہی ہوں، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہے۔"

☆۔ انہی کا بیان ہے کہ ایک روز مولوی صاحب موصوف حسبِ معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے سلام کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا: "جیتے رہو"۔ اس پر حضور نے عرض کی: "یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا، 'وعلیکم السلام' کہنا چاہیے تھا۔" مولوی صاحب آپ کی بات سُن کر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

فائدہ: جو شخصیت بچپن میں اس قدر سنّت کی پابندی کرے، وہ جوانی پھر بڑھاپے تک کیوں نہ اس کی مِصداق ہو۔

جن کی ہر ہر ادا سنّتِ مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایسے پیرِ طریقت پر لاکھوں سلام ہو

ازالہ وہم: حقیقی کرامات تو ہیں بھی یہی کہ ولیٔ کامل وہ ہے جس کی ہر ہر ادا سنّتِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہو۔

جہاز غرق نہ ہوا: دوسری بار جب میں حَرَمَین طَیِّبَین حاضر ہوا، واپسی پر تین دن طوفانِ شدید رہا۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے، لوگوں نے کَفَن پہن لیے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب (پریشانی) دیکھ کر ان کی تسکین (اطمینان) کے لیے بے ساختہ میری زبان سے نکلا: "آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم یہ جہاز نہیں ڈوبے گا۔" یہ قسم میں نے حدیثِ پاک ہی کے اطمینان پر کھائی تھی، جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

لہٰذا میں حدیث کے وَعدۂ صَادِقہ (سچے وعدے) پر مطمئن تھا، پھر بھی قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ (خوف) ہوا، تو حضرتِ عزّت کی طرف رُجوع کیا اور سرکارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مدد مانگی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدّت (بہت تیز) چل رہی تھی، دو گھڑی میں موقوف ہو گئی اور جہاز نے نجات پائی۔ ؎ کیوں رضا مشکل سے ڈریئے جب نبی مشکل کشا ہو

طاعون کا دفع ہونا: ایک مرتبہ امام احمد رِضا بریلوی، مولانا ظَفَرُ الدِّین بہاری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کے ہمراہ ایک دعوت پر گئے۔ صاحبِ خانہ کی مالی حالت کمزور تھی اور انہوں نے صرف بڑے گوشت کے کباب تیار کر رکھے تھے۔ واپسی پر مولانا ظَفَرُ الدِّین نے اَعْلٰی حَضْرَت سے عرض کی: "حضور! ڈاکٹر نے تو آپ کو بڑا گوشت کھانے سے منع کیا ہے، لیکن آپ نے کباب کھا لیے۔" اَعْلٰی حَضْرَت نے فرمایا: "مولانا، اگر میں نہ کھاتا تو غریب سُنّی کا دل ٹوٹ جاتا۔" معاً (اسی کے ساتھ) حدیثِ پاک یاد آ گئی کہ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ[3] پڑھ کر کوئی چیز بھی کھائے گا، وہ اسے تکلیف نہ دے گی۔ لہٰذا یہی دعا میں نے پڑھ کر کباب کھا لیے۔ اسی طرح حضورِ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "جو شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ خَلْقِهٖ تَفْضِیْلًا[4] وہ اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔" اِمام اَحْمَد رِضا کا یَقِین کامل دیکھئے، فرماتے ہیں کہ "جن جن اَمراض (بیماریوں) کے مریضوں کو اور جن جن بلاؤں (مصیبتوں) کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا، بِحَمْدِہٖ تَعَالٰی آج تک ان سب مصیبتوں سے محفوظ ہوں، اور بعونہ تَعَالٰی (اللہ کی عنایت سے) ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔" رات کے آخری حصہ میں اچانک بے چینی بڑھی تو امام احمد رِضا نے دُعا کی: اَللّٰهُمَّ صَدِّقِ الْحَبِیْبَ وَكَذِّبِ الطَّبِیْب یعنی اے اللہ! اپنے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بات سچّی کر دکھا اور طبیب کی بات جھوٹی بنا دے۔ اتنے میں کسی نے دائیں کان کے قریب منہ کر کے کہا کہ کالی مرچ اور مسواک استعمال کرو۔ ان دونوں چیزوں کا استعمال کرنا تھا کہ کُلّی بھر خون آیا اور طبیعت بحال (ٹھیک) ہو گئی۔ اور آپ نے طبیب کو پیغام بھجوایا کہ آپ کا وہ طاعون دفع (ختم) ہو گیا ہے۔

افسوس: امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ البتہ ایک بار اسے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نو عمری (کم سنی) میں آشوبِ چَشم اکثر ہو جاتا تھا، بوجہ عادت و مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ ۱۹ سال عمر ہو گی کہ رام پُور جاتے ہوئے ایک شخص کو آشوبِ چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی، اور جب سے اب تک آشوبِ چشم پھر نہ ہوا۔ افسوس اس لیے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حدیثِ مبارکہ ہے کہ تین بیماریوں کو مَکرُوہ (ناپسند) نہ رکھو۔

---

(3)(سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب ما جاء في الدعاء إذا أصبح وإذا أمسى، 5/ 434، الحديث 3388، دار الكتب العلمية)

ترجمہ: "میں اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں، اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔"

(4)(سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب ما يقول إذا رأى مبتلى، 5/ 460، الحديث 3432، دار الكتب العلمية)

ترجمہ: "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس چیز سے عافیت دی جس میں تجھے مبتلا کیا، اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔"

۱۔ زکام: کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

۲۔ کھجلی: کہ اس سے اَمراضِ جلدیہ، جُذام[5] وغیرہ کا اِنسداد (خاتمہ) ہو جاتا ہے۔

۳۔ آشوبِ چشم کہ نابینائی کو دفع (دور) کرتا ہے۔

عام لوگوں میں یہ تاثّر پایا جاتا ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان کمزور ہو جاتا ہے، لیکن امام احمد رضا فرماتے ہیں: ایک سال رمضان المبارک سے تھوڑا عرصہ قبل (پہلے) والد مرحوم مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: "بیٹا! آئندہ رمضان شریف میں تم سخت بیمار ہو جاؤ گے، مگر خیال رکھنا کہ روزہ قضا نہ ہو، ماہِ روزہ قضا نہ ہونے پائے۔" چنانچہ والد صاحب کے حسبِ ارشاد (ارشاد کے مطابق) واقعی میں سخت بیمار ہو گیا، لیکن کوئی روزہ نہ چھوٹا۔ الحمد للہ روزوں ہی کی برکت سے اللہ نے مجھے صحت عطا فرمائی اور صحت کیوں نہ ملّتی، کہ سید المحبوب ﷺ کا ارشادِ مبارک بھی تو ہے:

"صُومُوا تَصِحُّوا "[6] یعنی روزہ رکھو، صحت یاب ہو جاؤ گے۔

ضعیف حدیث پر عمل: امام احمد رضا جب دوسری مرتبہ حج پر گئے تو وہاں طبیعت خراب ہو گئی۔ محرّم کے آخری دنوں میں طبیعت ٹھیک ہوئی تو آپ نے حمام میں غسل فرمایا۔ باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھٹا چھا گئی ہے۔ حرم شریف تک پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہو گئی۔ معاً (فوراً ہی) آپ کو ایک حدیث یاد آ گئی کہ جو بارش میں طواف کرے وہ رحمتِ الٰہی میں تیرتا ہے۔ آپ نے اسی وقت حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور طواف شروع کر دیا۔ چنانچہ سردی کی وجہ سے بخار پھر لوٹ آیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر مولانا سید اسماعیل صاحب نے فرمایا: "مولانا! آپ نے ایک ضعیف حدیث کے لیے اپنی جان کو تکلیف دی ہے۔" آپ نے فرمایا: "حضرت! حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے امید تو قوی ہے۔"

سُبْحَانَ اللہِ! جن کے ایمان مضبوط اور قوی ہوتے ہیں، وہ فضائلِ اعمال کی ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں اور رحمتِ حق سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور جن کے ایمان کمزور ہوتے ہیں، انہیں صحیح حدیث میں بھی ضعف (کمزورپن) نظر آتا ہے، اور وہ حضور نبیِّ کریم ﷺ کے فضائل کا انکار کر کے رحمتِ حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہوتے ہیں، وہ مستحبات پر بھی عمل کرتے ہیں، اور جو غافل و منحوس ہوتے ہیں، وہ فرائض و واجبات کی بھی پروا نہیں کرتے۔

تعدادِ علوم: امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے جن علوم و فنون کی تحصیل اپنے اساتذہ اور ذاتی مطالعہ سے کی، ان کی تعداد پچپن (۵۵) تک پہنچتی ہے۔ اس کی پوری تفصیل خود امام احمد رضا نے اس سند میں دی ہے جو حافظِ کُتُبِ الحرم، مولانا سید اسماعیل خلیل مکی کو عنایت کی، جس کا تاریخی نام "الإِجَازَةُ الرِّضَوِيَّةُ لِمُبَجَّلِ مَكَّةَ الْبَهِيَّةِ" ہے۔ اس میں آپ نے مندرجہ ذیل علوم و فنون کا ذکر کیا ہے:

(۱) علم القرآن (۲) حدیث (۳) اصول حدیث (۴) فقہ حنفی (۵) کتبِ فقہ جملہ مذاہب (۶) اصولِ فقہ (۷) جدل مہذب (۸) علم تفسیر (۹) عقائد و کلام (۱۰) نحو (۱۱) صرف (۱۲) معانی (۱۳) بیان (۱۴) بدیع (۱۵) منطق (۱۶) مناظرہ (۱۷) فلسفہ (۱۸) تکسیر (۱۹) ھیئات (۲۰) حساب (۲۱) ہندسہ (۲۲)

---

(5)۔۔جُذام: (Leprosy) یہ ایک صحت کی بیماری ہے جو جلد اور اعصاب (nerve) کو متاثر کرتی ہے۔ اس میں جلد پر داغ، زخم، اور حسّاسیت کم ہونا جیسے علامات ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر وقت پر علاج نہ ہو تو یہ عضلات اور ہتھیلیوں یا پاؤں کی انگلیوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔۔(ط۔ ضیائی)

(6)(المعجم الأوسطباب الميمن بقية من أول اسمه ميمموسى بن زكريا التستري، 9/ 144، الحديث 8308،مكتبة المعارف،سنة النشر: 1405هـ/ 1985م)

قرأت (۲۳) تجوید (۲۴) تصوف (۲۵) سلوک (۲۶) اخلاق (۲۷) اسماء الرجال (۲۸) سیر (۲۹) تاریخ (۳۰) لغت (۳۱) ادب معہ جملہ فنون (۳۲) ارثما طیقی (۳۳) جبر و مقابلہ (۳۴) حساب سینی (۳۵) لوگارثمات (۳۶) توقیت (۳۷) مناظرہ مرایا (۳۸) علم الاکر (۳۹) زیجات (۴۰) مثلث کروی (۴۱) مثلث سطح (۴۲) ہیاۃ جدیدہ (۴۳) مربعات (۴۴) جفر (۴۵) زائرچہ (۴۶) نظم عربی (۴۷) نظم فارسی (۴۸) نظم ہندی (۴۹) نثر عربی (۵۰) نثر فارسی (۵۱) نثر ہندی (۵۲) خط نسخ (۵۳) نستعلیق (۵۴) تلاوت مع تجوید (۵۵) علم الفرائض [الإِجَازَةُ الرِّضَوِيَّةُ]

نوٹ: مذکورہ بالا عُلوم میں سے بہت سے وہ ہیں کہ جن کو امام احمد رضا نے کسی اُستاد سے حاصل نہیں کیا، بلکہ ان کی تعلیم فیضِ قرآنی سے حاصل ہوئی۔ خود فرمایا کہ جب ریاضی، جیومیٹری وغیرہ کی تحصیل شروع کی تو ان کی ذکاوت (ذہانت) کو دیکھ کر والدِ گرامی نے فرمایا: یہ علوم تمہیں خود بخود آجائیں گے۔

اساتذہ حیران: اساتذۂ کرام ہزاروں تلامذہ (شاگردوں) کو پڑھاتے ہیں، انہیں ہر شاگرد کی غَباوَت (کند ذہنی) اور ذکاوَت (ذہانت) کا علم ہوتا ہے، لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا تعلیمی و تدریسی طور (انداز) بدلا ہوا نظر آیا کہ پڑھنے والا اُلٹا پڑھانے والے کو درس دیتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ سوانحِ اعلیٰ حضرت میں لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے بچپن کے زمانے میں جو مولوی صاحب آپ کو پڑھایا کرتے تھے، ایک دن بچوں نے ان کو سلام کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا: جیتے رہو۔ اس پر آپ نے عرض کی: حضور! یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا، آپ کو "وَعَلَيْكُمُ السَّلَام" کہنا چاہیے تھا۔ مولوی صاحب آپ کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور آپ نے بہت بہت دعائیں دیں۔ دیکھیے! بچپن میں ایک کم سِن (عمر) بچے نے سینکڑوں تلامذہ کے مربّی کو شریعت کی پاسبانی کا طریقہ سکھا دیا۔

فطرتی حافظہ: اعلیٰ حضرت کے اُستادِ گرامی آپ کو قرآنِ شریف پڑھاتے ہوئے کسی لفظ پر زیر ادا کرنے کی تنبیہ کر رہے تھے، مگر اس کے باوجود اعلیٰ حضرت کی زبانِ پاک سے زبر ادا ہو رہا تھا۔ آپ کے اُستادِ گرامی بحالتِ ناراضگی آپ کو لے کر آپ کے والدِ گرامی حضرت علامہ مولانا نقی علی خان صاحب رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور تمام واقعہ کہہ سنایا۔ مولانا نقی علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت قرآنِ پاک منگوایا تو دیکھنے پر معلوم ہوا کہ کاتب (لکھنے والے) نے غلطی سے زبر کو زیر لکھ دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زبانِ پاک پر اپنا پورا تقدّس رکھتی تھی، یعنی آپ وہی کچھ ارشاد فرماتے تھے جو اللہ اور رسول کی مرضی و منشا کے مطابق ہوتا تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی روحانی کرامت

حضرت علامہ نور احمد قادری کے قلم سے: اولیاء اللہ کی روحانی کرامت حضورِ پاک خاتمُ النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معجزات کا فیض (روحانی عطیہ) ہے، جو اولیاء اللہ کو عشقِ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں سرشار ہو جانے (ڈوب جانے) کے باعث مَبدأِ فیوض (فیض کے اصل خزانے یعنی اللہ تعالیٰ) سے اس لیے عطا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کو اس کی بدولت (ذریعہ سے) اِنقلابی رفتار سے حلقہ بگوشِ اسلام (اسلام میں داخل) کیا جا سکے، یعنی ایک ایک، دو دو کی تعداد میں نہیں بلکہ بیک وقت (ایک ساتھ) ہزاروں کی تعداد میں انہیں مسلمان کیا جا سکے۔ انقلابی رفتار کا یہی مطلب ہے۔ عہدِ رسالت (نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا زمانہ) میں بھی کفار و مشرکین کے قبائل کے قبائل حضور سرورِ کونین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معجزات دیکھ کر ایک ہی دن میں بے شمار (بہت زیادہ) تعداد میں مسلمان ہوئے۔ پھر عہدِ رسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد دنیا میں جہاں جہاں بھی اسلام جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلا، اس کا سبب بھی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہی کے معجزات کا فیض، یعنی بزرگانِ دین اولیائے کاملین (کامل درجے کے اللہ والے) کی روحانی کرامات تھیں، جنہیں کفار و مشرکین نے دیکھا اور صداقتِ اسلام (اسلام کی سچائی) کا عملی طور پر لوہا مانا (سچ تسلیم کیا) اور جوق در جوق (گروہ در

گروہ) حلقۂ اسلام میں شامل ہوئے۔ بلکہ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ پورا علاقہ کا علاقہ مسلمان ہو گیا۔ سیدنا غوثُ الاعظم، یا داتا گنج بخش، اور سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری، اور شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکر کے واقعاتِ کرامت (کرامت کے واقعات) تو اس قدر زبانِ زدِ خاص و عام (سب میں مشہور) ہیں کہ یہ بات تاریخی حیثیت (تاریخی اعتبار) سے بالکل واضح ہے کہ ایک دن میں ان کی روحانی کرامات دیکھ کر کئی کئی ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا اور بستی کی بستیاں مسلمان ہو گئیں۔

یہاں اس مختصر بیان میں ان واقعاتِ تاریخی (تاریخی واقعات) کے دہرانے (دوبارہ بیان کرنے) کی گنجائش نہیں۔ جنہوں نے تاریخِ اسلام کا اس حیثیت (اعتبار) سے مطالعہ کیا ہے، وہ بخوبی (اچھی طرح) جانتے ہیں اور اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اسلام کو انقلابی حیثیت (تیز اور ہمہ گیر انداز) سے پھیلانا اولیاء اللہ ہی کا روحانی کارنامہ اور عظیم کام ہے۔ وہ مامورِ مِن بارگاہِ کرامت (اللہ کی طرف سے مقرر) ہوتے ہیں۔ کمالِ علمی (اعلیٰ علم) کے ساتھ ساتھ انہیں کمالِ روحانیت (اعلیٰ روحانی طاقت) یعنی کرامات مَبدِ اَفیض (فیض کے اصل خزانے یعنی اللہ) سے عطا ہوتی ہیں۔

اور کرامت ایک صاحبِ مقام (اونچے مرتبے والے) ولی اللہ کی ایسی ہی صفت (خوبی) ہے جیسی کہ چمکتی ہوئی کرن سورج کی صفت ہے۔ سورج دنیا کو اپنی کرن نہیں دکھاتا بلکہ کرن خود بخود اس کی روشنی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح ولی اللہ بھی اپنی کرامات اہلِ دنیا کو دکھاتا نہیں پھرتا بلکہ وہ خود بخود ان سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامت فی الحقیقت (حقیقت میں) حضورِ پاک ﷺ ہی کے نورِ رسالت (نبوی نور) اور معجزہ کی جھلک (چمک) اور فیض (روحانی عطیہ) ہے، جو انہیں عشقِ رسول ﷺ میں سرشار ہو جانے (ڈوب جانے) کی بدولت مبدِ اَفیض (اللہ تعالیٰ) سے ملتا ہے اور کرن کی طرح اُن سے ظہور میں آتا ہے اور دیکھنے والوں کے دلوں کو نورِ ایمانی (ایمان کی روشنی) سے روشن کر دیتا ہے۔ نبوت حضور سرورِ کونین ﷺ پر ختم ہو چکی، مگر نبوت کا مشن یعنی دینِ اسلام کا پھیلتے رہنا اُن عاشقانِ رسول اللہ ﷺ یعنی علمائے ربانی (اللہ والے علماء) کے ذریعے برابر جاری ہے اور تا قیامِ قیامت (قیامت تک) جاری رہے گا، جو قرآنِ پاک کی اصطلاح میں اولیاء اللہ اور تصوفِ اسلام کی اصطلاح میں واصلینِ حق (اللہ تک پہنچنے والے) کہلاتے ہیں۔

اسلام کا انقلابی طور پر پھیلانا حضور پاک ﷺ ہی کی طرف سے ان عاشقانِ رسول ﷺ، بارگاہِ خداوندی کے مقبول یعنی اولیاء اللہ ہی کی ڈیوٹی (ذمہ داری) ہے۔ لہٰذا اس اشاعتِ اسلام (اسلام پھیلانے) کے سلسلے میں جو بھی روحانی کرامت علمائے ربانی یعنی اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے، وہ دراصل فیض ہے حضور ﷺ ہی کے نورِ رسالت اور معجزات کا، جو مبدِ اَفیض سے ہر ولی اللہ کو بقدرِ درجۂ ولایت (اپنے روحانی درجے کے مطابق) عطا ہوتا ہے۔

ہر ولی اللہ سے کرامت خود بخود ظاہر ہوتی ہے اور کفار و مشرکین اولیاء اللہ کی اس روحانی کرامت یا روحانی کمال کو دیکھ کر ہی اسلام کی آسمانی صداقت (اللہ کی طرف سے سچائی) پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر و شرک سے تائب (توبہ کرنے والے) ہو کر مشرف بہ اسلام (اسلام میں داخل) ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک مبلغِ اسلام (اسلام پھیلانے والوں) میں یہ کمالِ روحانیت کی صفت موجود نہ ہو تو وہ اسلام نہیں پھیلا سکتا۔ علامہ اقبال نے صحیح کہا ہے۔

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

اس لیے ایک مبلغِ اسلام کے لیے کمالِ روحانیّت کی صفت ضروری ہے، اور یہ صفت صرف اولیاء اللہ ہی کی ہے کہ انہیں علمی کمال کے ساتھ ساتھ یہ روحانی کمال یعنی کرامت بھی عطا ہوتی ہے اور وہ بارگاہِ کبریٰ (اللہ کی عظیم بارگاہ) کے مامور (مقرر کردہ) ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ امر واضح ہے کہ کرامت ہر ولی اللہ سے ظاہر ہوتی ہے اور خود بخود ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی نہ کوئی واقعہ اس کرامت کے ظہور (ظاہر ہونے) کا مُوجَب (سبب) بن جاتا ہے، اور مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ دین کی اشاعت (پھیلاؤ) ہو اور غیر مسلم اس کرامت کو دیکھ کر خود بخود بلا کسی جبر (زبردستی) یا اکراہ (مجبوری) کے حلقہ بگوشِ اسلام (اسلام میں داخل) ہو جائے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے۔

اس روحانی کرامت کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز کی بھی سیدنا غوث الاعظم کی طریقتِ قادریہ (قادری سلسلہ) کے ایک عظیم ولی اللہ کی حیثیت (مرتبہ) سے بے شمار (بہت زیادہ) واقعات ہیں۔ یہاں بخوفِ طِوالَت (لمبا ہونے کے ڈر سے) ان میں سے صرف ایک واقعہ کو پیش کرنے پر اِکتفا کیا جاتا ہے۔ اپنی حقیقتِ تاریخی کے لحاظ (اعتبار) سے یہ ایک ایسا واقعۂ کرامت ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک صاحبِ اقتدار (بااختیار شخص) اور تعلیم یافتہ (پڑھا لکھا) انگریز بمعہ (ہمراہ) اپنے پورے کُنبہ (خاندان) کے مسلمان ہوا، اور ایسا مسلمان ہوا کہ پھر اس نے اپنی بقیہ (باقی) زندگی خدمتِ دین (دین کی خدمت) کے لیے وقف (قربان) کر دی، اور اس نے اپنے وطن جا کر اسلام کی زرّیں خدمات (قابلِ فخر خدمات) انجام دیں۔ یہ واقعہ دلچسپ (دل کو کھینچنے والا) بھی ہے اور سبق آموز (نصیحت دینے والا) بھی۔

سبق آموز اس لیے ہے کہ یہ واقعہ اس بات کا درس (سبق) ہے کہ حضر (قیام کی حالت) ہو یا سفر، خدا اور رسول کا خوف دل میں رکھنے والے نماز کسی حال میں نہیں چھوڑتے، عشقِ الٰہی (اللہ کی محبت) کی رسّی کو ہر حال میں ہاتھوں سے تھامے (مضبوطی سے پکڑے) رہتے ہیں۔ اور دلچسپ اس لیے ہے کہ سائنسی عقل رکھنے والے (سائنس پر یقین رکھنے والی سوچ) بھی روحانیت کے کمال (اعلیٰ روحانی طاقت) کو ماننے پر مجبور ہو گئے۔ سائنسی علم کے ساتھ ساتھ روحانی حقیقت (اصل سچائی) کو بھی انہوں نے تسلیم کیا (مان لیا) اور اسلام کی حقانیت (سچائی) کا دامن پکڑ لیا۔ یہ واقعہ اعلیٰ حضرت کی زندگی کے بے شمار (بہت زیادہ) واقعاتِ کرامت (کرامت کے واقعات) میں سے ایک اہم تاریخی (تاریخی اعتبار سے اہم) واقعہ ہے۔ اس واقعہ میں خود میرے دادا حاجی عبد النبی قادری بھی شاہد (گواہ) کی حیثیت (درجہ) سے شامل تھے، جو اعلیٰ حضرت ہی کے مریدین (بیعت کرنے والوں) میں سے تھے۔ یہ واقعہ ان کے سامنے پیش آیا تھا اور وہ اس واقعہ کو اپنی وفات سے قبل تک اکثر اپنے اَحباب (دوستوں) میں بیان کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ۱۹۴۹ء میں کراچی میں بعمر ۹۴ سال عین جمعہ کے روز وفات پائی، اور وہ دن بارہ ربیع الاول کا دن تھا۔ بقول ان کے، یہ واقعہ کرامتِ اعلیٰ حضرت کے وصال (وفات) ۱۹۲۱ء سے چند ماہ قبل کا واقعہ ہے۔

ہوا یوں تھا کہ اعلیٰ حضرت کا اکثر سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کی خانقاہ میں عرسِ غریب نواز کے موقع پر وعظ (دینی خطاب) ہوا کرتا تھا، اور اس وعظ کا اہتمام (انتظام) خود خانقاہ شریف کے "دیوان" صاحب کیا کرتے تھے، جس میں علماء وفُضَلا دُور دُور سے آ کر وعظ سننے کے لیے شرکت کرتے۔ بعض دفعہ دکن کے حکمران نظامِ دکن میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خان بھی اس وعظ میں شریک ہوتے رہے۔ اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لیے بے شمار خلقت (لوگوں کا ہجوم) وہاں ہوا کرتی تھی۔

اس مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے اجمیر شریف عرسِ خواجہ غریب نواز میں حاضری کے لیے جانے لگے تو ان کے ہمراہ دس گیارہ (۱۰،۱۱) ان کے مریدین بھی تھے۔ انہی میں ایک راقم الحروف (لکھنے والا) کے استادِ محترم حضرت مولانا شاہ عبد الرحمن قادری جیپوری تھے، جو ان کے شاگرد (طالب علم) بھی تھے اور خلیفہ (اجازت یافتہ جانشین) بھی۔ اور دوسرے خود راقم الحروف کے دادا محترم حضرت حاجی عبد النبی قادری تھے۔ بقیہ اور حضرات (دیگر بزرگ) تھے۔

دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کے لیے بی بی اینڈ سی آئی ریلوے (BB&CI Railway) کی ریل چلا کرتی تھی۔ دورانِ سفر جب یہ ریل گاڑی پھلیرہ اسٹیشن پر پہنچتی تو قریب قریب مغرب کا وقت ہو جاتا تھا۔ پھلیرہ اس دور کے ہند کا بہت بڑا ریلوے اسٹیشن ہوا کرتا تھا۔ ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجمیر شریف جانے کے لیے اسی ریل گاڑی کو پکڑتے تھے، اس لیے یہ ریل گاڑی پھلیرہ اسٹیشن پر تقریباً چالیس (۴۰) منٹ ٹھہرا کرتی تھی۔

خود راقم الحروف نے بھی پارٹیشن (تقسیم ہند) سے قبل کے دور میں اجمیر شریف حاضری دینے کے لیے اسی گاڑی سے کئی بار سفر کیا، پھلیرہ اسٹیشن کا حال دیکھا۔ بہر کیف (مختصراً)، جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے تو پھلیرہ اسٹیشن پر پہنچتے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ساتھ والے مریدین سے فرمایا کہ نمازِ مغرب کے لیے جماعت پلیٹ فارم پر پڑھ لی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھا دی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا انہوں نے تازہ وضو کر لیا۔ اعلیٰ حضرت ہر وقت باوضو (وضو کی حالت میں) رہتے تھے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے اور امامت کے لیے آگے بڑھے، اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان (دل جمعی) کے ساتھ نماز ادا کریں، ان شاء اللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی جب تک کہ ہم لوگ نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے۔ آپ لوگ قطعاً (بالکل) اس بات کا فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی (توجہ) کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یہ فرما کر اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھانا شروع کر دی۔ مغرب کے فرضوں کی جب ایک رکعت ختم کر چکے تو ایک دم گاڑی نے وِسٹل ((WHISTLE)یعنی سیٹی) دے دی۔ پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر گاڑی میں سوار ہو گئے، مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق (مکمل توجہ) کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی۔ دوسری رکعت مغرب کے فرائض کی چل رہی تھی، گاڑی نے اب تیسری اور آخری وِسٹل بھی دے دی، مگر ہوا کیا کہ گاڑی کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا۔

میل گاڑی (Mail Train) تھی، کوئی معمولی پسنجر گاڑی نہ تھی۔ اس لیے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ گاڑی آگے نہیں جاتی۔ کسی کے سمجھ میں نہ آیا۔ انجن کو ٹیسٹ کرنے (آزمانے) کے لیے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف دھکیلا تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی۔ انجن بالکل ٹھیک تھا، مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف چلانا چاہتا تو انجن رک جاتا تھا۔ آخر اتنے میں اسٹیشن ماسٹر، جو انگریز تھا، اپنے کمرے سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا اور اس نے ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو آیا چلتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا تو بخوبی پوری رفتار سے چلا، کوئی خرابی نظر نہ آئی، مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا تو وہ پھر اسی طرح جام ہو گیا (رک گیا) اور ایک انچ بھی آگے کو نہ چلا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرا (معاملہ) کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا۔ اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا، جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا، کہ یہ کیا بات ہے؟ انجن الگ کرو تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑو تو بالکل پٹری پر جام ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ گارڈ مسلمان تھا، اس کے ذہن میں بات آ گئی۔ اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ نماز پڑھا رہے ہیں، کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل (فنی) وجہ نظر نہیں آتی۔ اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتی، یہ گاڑی مشکل ہی سے چلے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے۔ تمہیں اب ان کے نماز ادا کرنے تک انتظار کرنا پڑے گا۔

اسٹیشن ماسٹر اگرچہ انگریز تھا مگر وہ اولیاء اللہ کو مانتا تھا۔ اس کی یہ بات سمجھ میں آ گئی اور وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ (یقیناً) یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ نماز میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراقِ عبادت (عبادت میں ڈوب جانا) اور خُشوع و خُضوع کا یہ

روح پرور منظر (دل کو متاثر کرنے والا منظر) دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام (بات چیت) کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔ غرض اعلیٰ حضرت عظیمُ البرکت نے سلام پھیرا اور پھر با آوازِ بلند درود شریف پڑھ کر دعامانگنے میں مصروف ہو گئے۔ دعامانگنے سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر انگریز نے اردو ہی میں عرض کیا: حضرت! ذرا جلدی فرمائیں، یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیتِ عبادت (عبادت میں مشغول ہونے) کے سبب چل نہیں رہی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے، اور ان شاءاللہ پھر گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے، کوئی بھی سچا مسلمان نماز قضا (چھوڑ) نہیں کر سکتا۔ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، فرض کو کیسے چھوڑا جائے؟ گاڑی ان شاءاللہ نہیں جائے گی جب تک کہ ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے۔

"اسٹیشن ماسٹر پر اسلام کی روحانی ہیبت (روحانی رعب) طاری ہو گئی۔ اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین نے سکون کے ساتھ جب نماز پورے طور پر ادا کر لی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا: ان شاءاللہ اب گاڑی چلے گی، ہم سب نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔ یہ کہا اور بمع اپنے سب ہمراہیوں کے (اپنے ساتھیوں کے ساتھ) گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ اسٹیشن ماسٹر نے اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا، مگر اس واقعۂ کرامت (کرامت کے واقعہ) کا اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ بہر کیف (مختصراً)، گاڑی کے ساتھ اعلیٰ حضرت اور ان کے یہ چند مریدین تو اجمیر شریف روانہ ہو گئے، مگر اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا۔ رات بھر وہ اسی غور و فکر (سوچ بچار) میں رہا، اس کو نیند نہ آئی۔ صبح اٹھا تو چارج (ذمہ داری) اپنے ڈپٹی کو سنبھلا کر بمع اپنے افرادِ خاندان کے حاضری کے لیے اجمیر شریف کو چل پڑا، تاکہ وہاں درگاہِ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے دستِ مبارک (بابرکت ہاتھ) پر اسلام قبول کرے۔ جب اجمیر شریف پہنچا تو دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز (ایمان بڑھانے والا) وعظ ہو رہا ہے۔ وہ وعظ میں شریک ہوا، بیان سنا، اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اس نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چوم لیے اور عرض کیا: "جب سے آپ پھلیرہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہوئے ہیں، میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا۔ آخر اپنے افرادِ خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہو گیا ہوں، اور اب آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت (اللہ کی طرف سے سچائی) کا یقینِ کامل (پختہ یقین) ہو گیا ہے، اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔" چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے ہزارہا زائرین (بہت سے موجودین) دربارِ خواجہ کے سامنے اس انگریز کو اور اس کے نو (۹) افرادِ خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا، اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوث پاک کے نام پر عبدالقادر رکھا۔ حالانکہ اس کا انگریزی نام رابرٹ (ROBERT) تھا اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا۔ آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلۂ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا، اور پھر ہدایت (نصیحت) فرمائی:

- ہمیشہ اتباعِ سنّت (نبی ﷺ کے طریقے کی پیروی) کا خیال رکھنا
- نماز کسی وقت نہ چھوڑنا
- نماز، روزہ کی پابندی بہت ضروری ہے
- جب موقع ملے تو حج پر بھی ضرور جانا
- زکوٰۃ بھی ادا کرنا

- ہمیشہ خدمتِ دین (دین کی خدمت) کاخیال رکھنااس لیے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآنِ پاک نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیاہے۔
- اپنے وطن جب جاؤتو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا، یہ بہت بڑی سعادت (خوش نصیبی) ہے۔
- اب خود بھی قرآنِ پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے تمام افرادِ خاندان کو بھی قرآنِ پاک کی تعلیم دلواؤ۔

غرض، آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا، اور اپنی عارفانہ (روحانی معرفت والی) جنبشِ نگاہ (نگاہ کے اشارے) سے اس کے شیشۂ دل کو عشقِ رسول ﷺ کے عطر (خوشبو) سے بھر کر اس کی روح کو منوّر (روشن) کر دیا۔ وہ اسلام کا شیدا (دیوانہ) و وارفتہ (بے خود عاشق) ہو گیا۔

اس انگریز اور ایک عظیم انگریز کے اس قبولِ اسلام (اسلام قبول کرنے) کا یہ واقعہ اس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا، اس لیے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجے کا شخص نہ تھا بلکہ ایک ایسے گھرانے (خاندان) کا فرد تھا جس کے بہت سے افراد ہندوستان میں اور اسی طرح انگلستان میں مَناصبِ جلیلہ (اعلیٰ عہدوں) پر فائز (مقرر) تھے، اہلِ علم (پڑھے لکھے) اور باوقار (عزت والے) لوگ تھے، اور عیسائی مشن کی بڑی سرپرستی (مدد و حمایت) کیا کرتے تھے۔ اس انگریز کے بمعہ (ہمراہ) افرادِ خاندان مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے جرگے (اجتماع) میں ہلچل (بے چینی) پڑ گئی۔ مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس (تمام محنت) جل گئی، یعنی گورے گھبرا گئے، ان کے پادری (عیسائی مذہبی پیشوا) بوکھلا گئے۔ یہ کیا کم انقلابی (تبدیلی لانے والا) واقعہ تھا۔

پھر اس نو مسلم (نئے مسلمان) انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا، زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ پھر قرآن کریم ختم کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گیا، اور وہاں جا کر اسلام کی خدمت کے لیے وقف (مختص) ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبشِ نگاہ (روحانی بصیرت) نے اس کی ساری کایا (وجود) پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشقِ رسول ﷺ (نبی ﷺ کی محبت میں غرق) کر کے کام کا آدمی بنا دیا۔ منزل پر پہنچا دیا، اسے ملّتِ اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون (طاقتور رکن) بنا دیا۔ اولیاء اللہ نے ہمیشہ اسی طرح انقلابی طور پر اسلام پھیلایا اور پرچمِ اسلام کو سربلند کیا۔ ان کا ہر نقشِ قدم ایک مسلمان کو نجات کی راہ دکھاتا ہے اور ببانگِ دُھل (صاف طور پر) یہ دعوت دیتا ہے کہ ہمیشہ اولیاء اللہ کے نقشِ قدم پر چل کر دین کی بے لوث خدمت (خالص خدمت) انجام دو اور اتباعِ سنّت (نبی ﷺ کے سنّت کی پیروی) کا پورا خیال رکھو۔ بس نجات اسی میں ہے۔

نوٹ: مشتے نمونہ از خروارے[7] چند کرامات کا ذکر ہوا ہے۔ تفصیل فقیر نے "کراماتِ اعلیٰ حضرت" میں لکھی ہے۔

وَالسَّلَامُ

هٰذَا آخِرُ مَا رَقَمَهُ قَلَمُهٗ

الفقیر القادری ابی الصالح محمد فیض احمد اُویسی غفرلہ

۲۹ محرم ۱۴۲۹ھ

بہاولپور۔ پاکستان

(7)۔۔یعنی بے شمار کرامات میں سے چند ایک کرامات مختصراً بیان کی گئی ہیں۔ (ط۔ضیائی)